جناب مظہر عباس صاحب ـــ مری

ابن خلدون کا نظریۂ محنت

مالتھس اور گاندھی کے غیر فطری نظریوں سے موازنہ

کارل مارکس نے جو حقیقت آج معلوم کی ہے، وہ ابن خلدون نے مارکس سے چند سو سال پہلے معلوم کر لی تھی، یعنی یہ کہ :

"محنت ہی اصل ہے محنت ہی سے دولت پیدا ہوتی ہے جس چیز کی تیاری پر جس قدر محنت ہوگی اس قدر اس کی قیمت ہوگی، اور محنت کی اُجرت وہ تمام دولت ہے جو محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔"

کارل مارکس کی تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب "سرمایہ" کا کل خلاصہ یہی ہے جو ابن خلدون کے شاہکار "مقدمہ" کے باب فی حقیقة الرزق والکسب وشرحہما ان الکسب ھو قیمة الاعمال البشریة کا خلاصہ ہے۔

★

معاشیات کی اصطلاح میں محنت سے مراد ہر وہ ذہنی اور جسمانی کوشش ہے جس کا مقصد دولت پیدا کرنا ہو۔ اور دولت سے مراد ہر وہ چیز ہے، جو انسان کی معاشی حاجت پورا کرنے میں کام آسکے۔ نیز اسکی خرید و فروخت ہوتی ہو۔ والدین اولاد کی تعلیم و تربیت میں جو رات دن محنت کرتے ہیں اُسے علم معاشیات کی اصطلاح میں محنت نہیں کہا جاتا۔ اس لئے کہ والدین بچوں کی تعلیم و تربیت مادی دولت کے حصول کی غرض سے نہیں بلکہ فطری محبت کی خاطر کرتے ہیں، جو شخص سکول مدرسہ یا جامعات میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام کرتا ہے۔ یا جو عورت ہسپتال میں بچوں کی پرورش

کرتی ہے۔ ان کا یہ کام محنت ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں ان کا مقصد دولت کمانا ہے۔ غرض محنت محض کام کا نام نہیں، بلکہ ایسا کام محنت ہے، جو دولت کمانے کے لئے کیا جائے ہر کام محنت نہیں لیکن ہر محنت کام ضرور ہے۔ اگر ایک شخص شوقیہ باغبانی کرتا ہے یا جانور پالتا ہے۔ تو اس شخص کے ان کاموں سے دولت پیدا ہوتی ہے، لیکن اصطلاح میں اس کے کام کو محنت نہیں کہا جاتا۔ اس لئے کہ کام کرنے والے کا مقصد دولت کمانا نہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس کے کام سے قدرتی طور پر دولت پیدا ہوتی ہے۔ گویا ہر وہ کام جس سے دولت پیدا ہو محنت نہیں کہلاتا بلکہ صرف وہ کام محنت کہلاتا ہے، جو دولت پیدا کرنے کی نیت سے کیا جائے خواہ اس سے دولت پیدا ہو یا نہ ہو۔ معدنیات کے حصول کے لئے کانیں کھودنے والے محنت کرتے ہیں، خواہ ان کے اس کام سے معدنیات برآمد ہوں یا نہ ہوں۔

دو شخص دریا پر مچھلیاں پکڑ رہے ہیں، ایک کا مقصد مچھلیاں پکڑ کر دولت کمانا ہے۔ اور دوسرا شوقیہ مچھلی کا شکار کرنا چاہتا ہے۔ پہلے شخص کا کام محنت کہلاتا ہے، اور دوسرے شخص کا کام محنت نہیں۔ دو شخص مسجد کی دیواریں بنا رہے ہیں، ایک اجرت پر کام کر رہا ہے دوسرا ثواب کی نیت سے۔ پہلے کے کام کو اصطلاح میں محنت کہا جائے گا، اور دوسرے کا کام محنت نہیں۔ مختصر یہ کہ:

"محنت سے مراد وہ ذہنی یا جسمانی کام ہے جو مادی دولت کے حصول کی خاطر کیا جاتا ہے۔"

محنت کی اجرت | محنت کش مادی دولت کے حصول کی خاطر کام کرتا ہے، اس لئے انصاف کا تقاضا ہے، کہ اسے اس کے کام کی اجرت دی جائے، اجرت میں نہ کمی جائز ہے اور نہ زیادتی۔ اگر محنت کش کو اسکی محنت کی نسبت کم اجرت دی جائے تو یہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اور اگر اسے زیادہ اجرت دی جائے تو پورے معاشرے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

علمائے معاشیات نے محنت کی اجرت مقرر کرنے پر طویل بحثیں کی ہیں، اور آج سرمایہ داری اور اشتراکی محاذوں پر محنت اور اجرت کے مسائل پر دلائل کی جنگ جاری ہے۔ سرمایہ داری کے حامی کہتے ہیں کہ محنت کی اجرت رسد اور طلب کے اصول پر مقرر کی جاتی ہے۔ دوسری طرف اشتراکی محاذ کے مفکرین کا کہنا ہے کہ رسد اور طلب کے اصول پر محنت کی

اُجرت مقرر کرنا محنت کش طبقہ کے حقوق کا اتلاف ہے۔

طلب اور رسد کے اصول پر اُجرت کا تعین کیونکر ہوتا ہے۔؟ اسکی وضاحت کے بغیر بحث کو آگے لے جانا مسئلے کو الجھا دینے کے برابر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ پہلے اس کی وضاحت کر لی جائے، کہ طلب اور رسد کا اصول کیا ہے۔ اور اس سے اجرت کیونکر مقرر ہوتی ہے۔

طلب اور رسد کا اصول | سرمایہ داری نظام میں محنت کش اپنی قوتِ محنت فروخت کرتا ہے، اور آجر قیمت دیکر یہ محنت خریدتا ہے۔ اس خرید و فروخت کی صورت وہی ہے جو عام اشیائے تجارت کی خرید و فروخت میں پائی جاتی ہے۔ مارکیٹ، منڈی یا بازار میں فروخت کی جانے والی کوئی جنس خریداروں کی قوتِ خرید کی نسبت زیادہ ہو تو اسکی قیمت گر جاتی ہے۔ یعنی وہ چیز سستی ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس جنس کی رسد خریداروں کی قوتِ خرید سے جسکا دوسرا نام طلب ہے، کم ہو جائے تو اسکی قیمت بڑھ جاتی ہے، یعنی یہ چیز مہنگی ہو جاتی ہے۔

رسد سے مراد جنس کی وہ مقدار ہے، جو فروخت کیلئے منڈی میں پیش کی جاتی ہے۔ اور طلب سے مراد وہ قوت خرید ہے جسکو کسی خاص وقت یا مدت میں عمل میں لایا جاتا ہے۔

ایک ملک میں لوگوں کے پاس دس لاکھ تھان کپڑا خریدنے کی خواہش اور قوت ہے، اور اس ملک کے کارخانے دس لاکھ تھان کپڑا تیار کر کے منڈی میں بھیج دیتے ہیں، تو اس ملک میں کپڑے کی رسد اور طلب برابر ہوگی۔ اور اگر کارخانے بجائے دس لاکھ کے گیارہ لاکھ تھان کپڑا تیار کریں، یا لوگوں کی قوتِ خرید یا خواہش بجائے دس لاکھ کے ۹ لاکھ تھان ہو جائے تو کہا جائے گا کہ اس ملک میں کپڑے کی رسد بڑھ گئی ہے، اور اس طرح کپڑے کی قیمت کم ہو جائے گی۔ یا اس کے برعکس کپڑا دس لاکھ تھان سے کم تیار ہو یا لوگوں کی قوت خرید اور خواہش دس لاکھ تھان سے بڑھ جائے تو کہا جائیگا کہ رسد طلب کی نسبت کم ہے، اور اس صورت میں کپڑا مہنگا ہو جائے گا۔

سرمایہ داری نظام میں کپڑے اور محنت (جسے قوتِ محنت کہا جاتا ہے) میں کوئی فرق نہیں، آجر یعنی وہ شخص جو مزدوروں کو کام پر لگاتا ہے۔ محنت کش سے اسکی قوتِ محنت خریدتا ہے۔ اب اگر حالات ایسے ہو جائیں کہ ملک میں مزدوروں کی تعداد بڑھ جائے یا آجر کارخانوں میں بہتر مشین لگاکر مزدوروں کی چھانٹی کر دے تو اس صورت میں محنت کی رسد بڑھ جائے گی۔ اور طلب گھٹ جائے گی، اور رسد بڑھ جانے اور طلب گھٹ جانے سے

محنت کی قیمت یعنی اجرت کم ہو جائے گی، اور اگر کسی ملک میں مزدوروں کی تعداد کم ہو جائے لوگ جنگ میں مارے جائیں یا ہجرت کر جائیں یا نئے نئے منصوبوں پر عمل شروع ہو جائے تو اس صورت میں محنت کی قیمت یعنی اجرت بڑھ جائے گی۔

مالتھس کا نظریہ محنت کے بارے میں طلب اور رسد کا یہی اصول مالتھس کے سامنے تھا جس نے سب سے پہلے مسئلہ آبادی پر قلم اٹھایا، اور مشورہ دیا کہ کسی ملک کی خوشحالی کیلئے ضروری ہے کہ اس ملک کی آبادی کو ایک مناسب حد سے آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ مالتھس نے بتایا تھا کہ مزدور محنت کر کے کارخانے بناتے اور مشینیں بناتے ہیں۔ یہ کارخانے اور مشینیں ایسی عمدہ ہوتی ہیں کہ ان پر ایک آدمی بہت سے آدمیوں کا کام کرتا ہے۔ فرض کریں لاہور سے پشاور تک تجارتی مال لے جانے کے لئے ایک لاکھ مزدور کام کرتے تھے چند آجروں نے ان مزدوروں سے ریلوے لائن بچھانے اور گاڑیاں تیار کرنے کا کام لیا۔ اور ایک خاص مدت کے بعد جب کام مکمل ہو گیا۔ اور لاہور سے پشاور تک مال گاڑیاں چلنے لگیں۔ تو یہ ایک لاکھ مزدور بیکار ہو گئے۔ اس لئے کہ مال گاڑی پر چند مزدور کہ وہ سارا کام کر دیں گے جو پہلے ایک لاکھ مزدور کیا کرتے تھے۔ گویا مزدوروں نے ریلوے لائن بچھا کر اپنے مفادات کے خلاف کام کیا ہے، ہزاروں مزدور بیکار ہو گئے اور اس طرح محنت کی رسد طلب کی نسبت بڑھ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدور کی اجرت کم ہو گئی۔

مالتھس نے مزدوروں کو مشورہ دیا تھا کہ یہ لوگ کم بچے پیدا کریں تاکہ ان کی تعداد زیادہ نہ ہو اور کسی ملک میں جس قدر مزدوروں کی طلب ہے وہ پوری نہ ہو سکے یعنی محنت کی رسد طلب سے کم رہے اس صورت میں محنت کی قیمت یعنی اجرت زیادہ ہو گی، اور مزدور خوشحال ہوں گے۔

گاندھی کا نظریہ برصغیر کے مشہور سماجی فلاسفر گاندھی نے محنت کی رسد کو طلب سے کم رکھنے کے لئے کارخانے کم لگانے کی تعلیم دی ہے۔ گاندھی کا خیال تھا کہ جدید مشینری کا استعمال مزدوروں کو بیکار کر دیتا ہے۔ اس سے مزدور کی اہمیت گھٹ جاتی ہے، اور محنت کی رسد بڑھ جاتی ہے جس کا نتیجہ بے روزگاری اور غربت و افلاس کی صورت میں نکلتا ہے۔ مختصر یہ کہ:

"مالتھس نے مزدور کو خوشحال بنانے کیلئے محنت کی رسد کم کرنے اور گاندھی نے مزدوروں کو خوشحال رکھنے کے لئے طلب کو بڑھانے کا مشورہ

دیتا ہے۔ بچے کم پیدا ہوں تو محنت کی رسد کم ہو جاتی ہے۔ اور کارخانوں میں جدید مشین کا استعمال نہ کیا جائے تو محنت کی طلب بدستور قائم رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بچے زیادہ ہونے سے محنت کی رسد بڑھ جاتی ہے اور کارخانوں میں جدید مشین کے استعمال سے طلب گھٹ جاتی ہے۔

دونوں نظریے غیر فطری ہیں اہل بصیرت جانتے ہیں کہ مالتھس اور گاندھی ہر دو کی تعلیمات مصلحت اور فطرت کے خلاف ہیں۔ بچے کم پیدا کرنے کا مشورہ قدرت کے نظام میں دخل اندازی کا مشورہ ہے، اور کارخانوں میں جدید مشین استعمال نہ کرنے کی تعلیم سائنس اور ذہن انسانی کے ارتقاء کے خلاف رجعت پسندی کی تعلیم ہے۔

اب تک کی معروضات کا خلاصہ یہ ہوا:۔

۱۔ محنت سے مراد وہ کام ہے۔ جو اجرت کے حصول کی خاطر کیا جاتا ہے۔

۲۔ سرمایہ داری نظام میں محنت کی خرید و فروخت عام اشیائے تجارت کی خرید و فروخت سے مختلف نہیں۔

۳۔ سرمایہ داری نظام میں عام اشیاء کی قیمت رسد اور طلب کے قانون سے مقرر ہوتی ہے۔ اور محنت بھی ایک فروخت کی جانے والی جنس ہے اس لئے اسکی قیمت یعنی اجرت بھی رسد اور طلب کے اصول سے متاثر ہوتی ہے۔

۴۔ اگر قیمت کی رسد بڑھ جائے یا طلب کم ہو جائے تو اجرت کا معیار گر جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر محنت کی رسد کم ہو جائے یا طلب بڑھ جائے تو اجرت کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔

۵۔ مالتھس مشورہ دیتا ہے کہ مزدور کم بچے پیدا کریں تاکہ محنت کی رسد طلب سے بڑھ نہ جائے اور گاندھی کا مشورہ ہے کہ کارخانوں میں جدید مشین کا استعمال روک دیا جائے تاکہ محنت کی طلب گھٹ نہ جائے۔

۶۔ مالتھس اور گاندھی ہر دو کے مشورے ناممکن العمل ہیں۔

سرمایہ داری نظام کا تضاد اس بحث سے سرمایہ داری نظام کا وہ تضاد واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے جس پر اشتراکی مصنفین نے زور دار بحثیں کی ہیں۔ یہ نظام ایک طرف ملک کو خوشحال بنانے کے لئے نئے نئے کارخانے لگاتا اور سائنس کی ایجادات سے فائدہ اٹھانے

کا مدعی ہے، اور دوسری طرف اس کے عمل کا نتیجہ محنت کش عوام کی زبوں حالی ہے۔ اس نظام میں مزدور نئی سڑک بنا کر نیا کارخانہ تعمیر کرکے نئی کان کھود کر نئی دولت نکال کر سائینسدان نئی مشین ایجاد کرکے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہو تو وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے، اور اپنے مفاد کے خلاف کام کرتا ہے۔

اس سے پہلے کہ بحث کو آگے بڑھایا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مارکس اور گاندھی نے محنت کش عوام کی غربت و افلاس کے جو علاج تجویز کئے ہیں ان کی خامیوں کی نشاندہی کر دی جائے، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

مارکس اور گاندھی کی بنیادی غلطی | محنت کش عوام کی غربت و افلاس کے اصل اسباب کی تشخیص میں مارکس اور گاندھی ہر دو نے غلطی کی ہے۔ ان دونوں نے سرمایہ داری نظام کی اس خرابی سے اغماض برتا ہے جس کا تعلق محنت کی حیثیت سے ہے۔ اس نظام میں محنت کو دوسری تجارتی اشیاء کی حیثیت دے کر اسے طلب اور رسد کے اندھے قانون کی لاٹھی سے ہانکا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو رسد اور طلب کا قانون کسی چیز کی قیمت مقرر کرنے کا معقول پیمانہ ہے۔ اور نہ ہی محنت کی حیثیت عام اشیائے تجارت کی سی ہے لیکن یہاں:

۱۔ رسد اور طلب کو اشیائے تجارت کی قیمت کا پیمانہ مقرر کیا گیا ہے۔

۲۔ محنت کو عام اشیائے تجارت کی حیثیت دی گئی ہے ——— اور

۳۔ محنت کی اجرت کو رسد اور طلب کے پیمانے سے ناپا گیا ہے۔

اور یہ تینوں امور غلط ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے وجود کیلئے معقول وجوہ نہیں رکھتا۔

مارکس اور گاندھی نے ان تینوں امور کو من و عن صحیح تسلیم کرکے وہ بنیادی غلطی کی ہے، جس کے نتیجے میں ان کے فلسفوں کی عمارتیں استوار نہ ہو سکیں۔

ان مذکورہ بالا امور میں کیا خامیاں ہیں۔؟ اور ان کو درست تسلیم کر لینے سے علم معاشیات کے کون کون سے اصول بے جا طور پر متاثر ہوتے ہیں۔؟ ان سوالوں کے جوابات کا یہ موقع نہیں، ہمارا اصل مقصد تو ابن خلدونؒ کے نظریۂ محنت پر بحث کرنا ہے۔ اور یہ بحث اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتی جب تک کہ مذکورہ بالا بحث کو ذہن میں نہ رکھا جائے۔

قیمت کا پیمانہ | ابن خلدونؒ نہ تو یہ تسلیم کرتا ہے کہ محنت عام اشیائے تجارت کی

حیثیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے ہاں رسد اور طلب کا قانونِ محنت یا تجارتی اشیاء کی معقول قیمت مقرر کرنے کا پیمانہ ہے۔ ابن خلدونؒ محنت کے پیمانے سے عام اشیائے تجارت کی قیمت مقرر کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ:

"کسی چیز کی قیمت اس محنت کے برابر ہوتی ہے جو محنت اس تیاری پر صرف ہوتی ہے۔"

سرمایہ داری نظام میں کوئلہ اس لئے سستا ہے کہ اس کی رسد زیادہ ہے، اور ہیرا اس لئے مہنگا ہے کہ اس کی رسد کم ہے، اور ابن خلدون کے نزدیک کوئلہ کے حصول پر کم محنت صرف ہوتی ہے۔ اس لئے کوئلہ سستا ہے اور ہیرا کے حصول پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، اس لئے ہیرا مہنگا ہے۔ گویا ابن خلدونؒ نے رسد اور طلب کے قانون کو اشیاء کی قیمت کا پیمانہ بنانے کی جگہ محنت کو قیمت کا پیمانہ مقرر کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ محنت کی اُجرت کیونکر متعین کی جائے گی۔؟ اس کا جواب ابن خلدونؒ کے نظریئے کے مطابق نہایت سادہ ہے۔ اُجرت چونکہ خود پیمانہ ہے۔ اس لئے اس کے لئے پیمانہ مقرر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اجرت کا پیمانہ کوئی دوسرا ہو تو پھر اُجرت کی حیثیت پیمانے کی نہیں رہتی۔ اس اصولی بات کے باوجود یہ سوال جواب طلب رہ جاتا ہے کہ محنت کی اُجرت کیا ہو۔ ایک گھنٹہ، آٹھ گھنٹے، ایک ہفتہ یا ایک ماہ کام کرنے کے بعد محنت کش کس قدر اجرت کا حقدار ہو جاتا ہے۔

اس سوال کا حل سرمایہ داری نظام کے حامیوں کے پاس کوئی نہیں وہ صرف رسد اور طلب کی بات دہرا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن ابن خلدونؒ کے نظریۂ محنت کی رو سے اس کا جواب واضح ہے کہ:

"جس قدر محنت سے جس قدر دولت پیدا ہو گی وہ دولت اس قدر محنت ہی کا پھل اور اسکی اجرت ہو گی۔"

انفرادی مثالوں سے سوچا جائے تو بات اب بھی واضح نہیں ہوئی، ایک معمار نے دس گھنٹے محنت کر کے ایک دیوار تعمیر کی۔ اس معمار کو اس کام کی کیا اُجرت دی جائے یہ تو بے معنی بات ہے کہ اسے اس دیوار کا مالک بنا دیا جائے اور کہا جائے کہ دیوار تمہاری محنت کا نتیجہ ہے اس لئے یہی تمہاری اُجرت ہے۔

اس الجھن کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے محنت کی ایک جزئی کو الگ طور پر تولنا شروع کر دیا ہے۔ محنت عام اشیاء کی طرح کوئی ٹھوس اور معین طور پر نظر آنے والی چیز نہیں، اسی معمار کی مثال لیں بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ اس نے دس گھنٹے کی محنت سے دیوار بنائی ہے لیکن حقیقت میں دس گھنٹوں سے نہیں بنی بلکہ اس دیوار کے بنانے میں اینٹیں اور سیمنٹ بنانے والوں کی محنت اینٹیں اور سیمنٹ کو مقام تعمیر تک پہنچانے کی محنت فن تعمیر میں استعمال ہونے والے آلات کی تیاری اور انہیں معمار تک پہنچانے کی محنت شامل ہے۔ غرض محنت کی کسی اکائی کو دوسری اکائیوں سے الگ کرنا اور اسکی الگ حیثیت مقرر کرنا مشکل ترین کام ہے۔

محنت پر ہمیشہ مجموعی حیثیت سے غور کرنا چاہیئے، فرض کریں ایک ملک میں ایک ہزار محنت کش ہیں۔ اور ہر محنت کش آٹھ گھنٹہ یومیہ محنت کرتا ہے تو روزانہ آٹھ ہزار گھنٹے محنت ہوئی، اور مہینے میں ۳۰ × ۸ ہزار گھنٹے یعنی ۲۴۰ ہزار گھنٹے محنت ہوئی، اور سال میں ۱۲ × ۳۰ × ۸ ہزار گھنٹے یعنی ۲۸ لاکھ ۸۰ ہزار گھنٹے محنت ہوگی۔ اس کے بعد دیکھا جائے کہ اس ملک میں کل کتنی دولت پیدا ہوئی ہے۔ فرض کریں کل دولت ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ ہے اب ہم آسانی سے معلوم کریں گے کہ ایک گھنٹہ کی محنت کی پیداوار کیا ہے۔ زیر نظر مثال کی کی رُو سے،

سال بھر کی محنت = ۲۸۸۰۰۰۰ گھنٹے

سال بھر کی محنت کا نتیجہ = ۱۴۴۰۰۰۰ روپے کی دولت

اس حساب سے ایک گھنٹہ کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۵۰ پیسے ہوگی۔ اور یہی ۵۰ پیسے ایک گھنٹہ کی محنت کی اُجرت ہوگی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم نے سال بھر کے ۲۸ لاکھ ۸۰ ہزار گھنٹوں کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ کس اصول سے مقرر کی ہے ـــ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیمت کم ہو یا زیادہ اس کا اُجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، آپ اس سے کم یا زیادہ قیمت مقرر کر سکتے ہیں۔ اگر سال بھر کی دولت کی قیمت ۷ لاکھ ۲۰ ہزار روپے مقرر کریں تو ایک گھنٹہ کی محنت کی اُجرت ۲۵ پیسے ہوگی۔ اور اگر اسکی قیمت بڑھا کر ۲۸ لاکھ ۸۰ ہزار کریں تو ایک گھنٹہ کی محنت کی اُجرت ایک روپیہ ہوگی۔ لیکن اس سے اُجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بظاہر یہ عجیب بات ہے۔ کہ ایک گھنٹہ کی اُجرت ۲۵ پیسے ہو ۵۰ پیسے ہو یا ایک۔

روپیہ سب برابر ہیں۔

اُجرت میں یہ فرق اس لئے نظر آتا ہے کہ ہماری نظر میں زر یعنی روپیہ پیسہ کی حقیقت نمایاں نہیں۔ ۲۵ پیسے ۵۰ پیسے یا ایک روپیہ کیا ہے؟ یہ زر کی مختلف اکائیاں ہیں، ان کی اپنی کوئی قیمت نہیں، روپیہ کی قیمت وہ دولت ہے جو اس کے بدلے میں خریدی جا سکتی ہے۔ فرض کریں ایک روپیہ میں ایک سیر چاول مل جاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روپیہ میں ہر وہ چیز مل سکتی ہے جسکی تیاری پر اتنی محنت ہوتی ہو، جتنی محنت ایک سیر چاول پیدا کرنے پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک سیر چاول کی قیمت ۵۰ پیسے ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ چیز ۵۰ پیسے سے خریدی جا سکتی ہے جسکی تیاری پر اتنی محنت ہوتی ہو، جتنی محنت ایک سیر چاول پیدا کرنے پر ہوتی ہے۔ اور اگر ایک سیر چاول کی قیمت ۲۵ پیسے ہو تو اسکا مفہوم بھی یہی ہوگا کہ ۲۵ پیسے میں ہر وہ چیز خریدی جا سکتی ہے جسکی تیاری پر اتنی محنت ہوتی ہے جتنی ایک سیر چاول کی پیداوار پر ہوتی ہے۔ اس مثال سے واضح ہے کہ چاول کی قیمت ۲۵ پیسے ہو، ۵۰ پیسے ہو یا ایک روپیہ، ایک سیر چاول کی مالیت کی اشیاء کی قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اوپر کی مثال میں جب ایک گھنٹہ کی محنت کی اُجرت ۲۵ پیسے دی جائے گی، تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایک مزدور کی یومیہ اُجرت ۲ روپے، اور ایک ملازم کی ماہوار تنخواہ ۶۰ روپے ہوگی۔ اور تمام محنت کشوں میں کل روپیہ جو سال میں تقسیم کیا جائے گا، وہ ۷ لاکھ ۲۰ ہزار ہوگا دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ سال بھر میں جس قدر دولت پیدا ہوتی ہے وہ ۷ لاکھ ۲۰ ہزار روپے میں خریدی جا سکتی ہے۔ جب ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۵۰ پیسے ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سال بھر میں پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپے ہوگی یعنی ساری دولت جو سال بھر میں پیدا ہوتی ہے وہ ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ میں خریدی جا سکے گی۔

روپیہ تو قوت خرید کا نام ہے۔ اب اگر ۲۵ پیسہ میں وہی دولت خریدی جا سکے جو ۵۰ پیسے یا ایک روپیہ میں خریدی جا سکتی ہے، تو ظاہر ہے کہ زر کی ان اکائیوں یعنی ۲۵ پیسے ۵۰ پیسے اور ایک روپیہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

فرض کیجیئے تین ممالک ہیں۔ ہر ملک میں سال کے دوران برابر محنت ہوتی ہے۔ اور

برابر محنت سے برابر محنت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن الف ملک میں ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۲۵ پیسے، ب میں ۵۰ پیسے اور ج میں ایک روپیہ ہو تو تینوں ملکوں کے عوام کا معیارِ زندگی برابر رہے گا۔ الف ملک کا مزدور یومیہ دو روپے اور ملازم ۶۰ روپے ماہوار کما کر اشیائے صرف اسی مقدار میں خریدے گا جس مقدار میں ب ملک کا مزدور یومیہ چار روپے اور ملازم ماہوار ۱۲۰ روپے تنخواہ سے خریدتا ہے۔ یا ج ملک کا مزدور یومیہ ۸ روپیہ اور ملازم ماہوار ۲۴۰ روپیہ سے خریدتا ہے۔

امید ہے ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ پورے سال کی محنت سے پیدا ہونے والی کل دولت پورے سال کی محنت کا پھل ہے، اور ایک گھنٹے کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت ایک گھنٹے کی محنت کا پھل ہے۔ پورے سال کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کل دولت زر کے پیمانے سے جو بھی قیمت مقرر کی جائے گی اس کا محنت کی اجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ محنت کی جس قدر قیمت مقرر کی جائے وہ ساری قیمت مزدوروں میں اسی نسبت سے تقسیم کر دی جائے کہ جس نسبت سے مزدوروں نے محنت کی ہے۔ اگر سال کی محنت سے پیدا ہونے والی کل دولت کی قیمت زیادہ ہو تو فی گھنٹہ محنت کی اجرت زیادہ دی جاتی ہے اور اگر کم ہو تو فی گھنٹہ اُجرت کم دی جائے گویا اُجرت زیادہ ہو گی تو اشیائے خرید مہنگی ہوں گی۔ اور اُجرت کم ہو گی تو اشیائے خرید سستی ہوں گی، محنت کش کو ہر دو صورتوں میں برابر چیزیں حاصل ہوں گی۔

خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مختلف محنت کشوں کو مختلف اجرتیں دی جاتی ہیں، اور اصول یہ مقرر کیا جاتا ہے کہ محنت کے جس شعبے میں مزدوروں کی رسد زیادہ ہو، مثلاً کاشتکاری وغیرہ کو اس شعبے میں کم اُجرت دی جائے اور جس شعبے میں مزدوروں کی رسد کم ہو جیسے وکالت وغیرہ تو اس شعبے میں اُجرت زیادہ دی جائے۔

ابن خلدونؒ نے محنت کو اشیاء کی قیمت مقرر کرنے کا پیمانہ مقرر کر کے ان تمام ناانصافیوں اور زیادتیوں کی پوری طرح روک تھام کر دی ہے۔ جو سرمایہ داری نظام میں عام ہیں، کارل مارکس نے جو حقیقت آج معلوم کی ہے، وہ ابن خلدونؒ نے مارکس سے چار سو سال پہلے معلوم کر لی تھی۔ یعنی یہ کہ:

محنت ہی اصل ہے محنت ہی سے دولت پیدا ہوتی ہے، جس چیز کی تیاری

پر جس قدر محنت ہو گی اس قدر اسکی قیمت ہو گی، اور محنت کی اجرت وہ تمام دولت ہے جو محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

کارل مارکس کی تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب، "سرمایہ" کا کل خلاصہ یہی ہے جو ابن خلدونؒ کے شاہکار "مقدمہ" کے باب فی حقیقۃ الرزق والکسب وشرحھا وان الکسب ھو قیمۃ الاعمال البشریۃ - کا خلاصہ ہے ——— اسی لئے ——— ابن خلدونؒ پر کام کرنے والے مصنف مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنی کتاب "افکار ابن خلدونؒ" میں لکھا ہے:

"اس باب میں غور و تحسین کے لائق نکتہ یہ ہے کہ ابن خلدونؒ محنت ہی کو انسانی اجرتوں کا معیار قرار دیتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خصوص میں کارل مارکس سے بھی پہلے یہ مارکی ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۵)

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا تھا اور علامہ ابن خلدونؒ کا سال وفات ۱۴۰۶ء ہے۔

زیادہ اجرت دینا بھی زیادتی ہے | ہم نے مضمون کے ابتدائی حصے میں کہا تھا کہ اگر مزدور کو معیار سے زیادہ اجرت دی جائے تو یہ پورے معاشرے کے ساتھ ناانصافی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر بھی ضرورت کے مطابق روشنی ڈال دی جائے، گو مذکورہ بالا بحث کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اسکی وضاحت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ مذکورہ بحث سے اس کا جواب مل جاتا ہے۔ تاہم قارئین کرام کی سہولت کے لئے وضاحت کر دینا مناسب رہے گا۔

فرض کریں سال بھر کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی ہم وہ قیمت مقرر کرتے ہیں جس سے ایک گھنٹہ کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ ایک گھنٹہ محنت کی اجرت ۲۵ پیسے ہوئی۔ اب ہم محنت کشوں کے ایک خاص طبقے کو دوگنی اجرت دیتے ہیں، یعنی انہیں ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۵۰ پیسے دیتے ہیں، تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ لوگ ایک گھنٹہ محنت کر کے جو چیز تیار کریں گے اسکی قیمت ۵۰ پیسے ہو گی، گویا یہ لوگ معاشرے کو ۲۵ پیسے کی دولت دے کر ۵۰ پیسے کی دولت حاصل کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس زیادتی کا اثر معاشرے کے باقی تمام افراد

باقی صفحہ ۲۹ پر